جلد ۱۶ — شہادت ۱۳۵۴ ہش — شمارہ ۴

اپریل ۱۹۷۵ء

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

سالانہ بدل اشتراک
پاکستان آٹھ روپے
دیگر ممالک ایک پونڈ

فی پرچہ پچھتر پیسے

- بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ -

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

شہادت ۱۳۵۴ہش

ربیع الاول ۱۳۹۵ ہجری اپریل ۱۹۷۵ء

ایڈیٹر
غلام باری سیف

قیمت سالانہ آٹھ روپے　　　فی پرچہ ۷۵ پیسے

فہرست مضامین

پبلشر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چوہدری محمد ابراہیم

مطبع ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقام اشاعت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دفتر ماہنامہ انصار اللہ دارالصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۶ | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۴
شہادت ۱۳۵۴ ہش

(۱)

رہے نام اللہ کا

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ○ کہ اس دنیا کی ہر شے فانی ہے۔ ہر شے زوال پذیر ہے۔ ایک خدائے برحق و ذوالجلال کی ہستی ہی باقی رہنے والی ہے۔ خدا تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں کیسے خوش رہ سکتا ہوں کہ مجھے نظر آ رہا ہے کہ فرشتے نے منہ میں بگل لے لیا ہے اور آسمان والے کے حکم کا منتظر ہے کہ کب اسے حکم ہو اور وہ بگل میں پھونک دے اور اس دنیا کی صف لپیٹ دی جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزند جلیل حضرت مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

یہ تو رہنے کا نہیں پیارو مکاں ۔۔۔ چل بسے سب انبیاء و راستاں
یاں نہیں پاتا کوئی اس سے نجات ۔۔۔ یونہی باتیں ہیں بنائی واہیات

کوئی کتنے روز اس فانی دنیا میں رہ لے۔ وہ فاتح عالم ہو یا ادنیٰ گداگر۔ عمر بھر وہ کمخواب و حریر میں لیٹا رہے یا بوریے کے فرش پر پہلو بدلتا رہے۔ وہ عیش و عشرت میں پلنے والا ہو یا در در سے مانگ کر پیٹ بھرنے والا۔ کوئی قلعوں یا محلوں میں رہنے والا ہو یا جھونپڑے کے اندر زندگی بسر کرنے والا۔ اپنی فتح کے نشہ میں انسانی کھوپریوں کے مینار بلند کرنے والا۔ فاتح ہو یا مفتوح۔ نیک ہو یا بد۔ ایک دن اسے یہ دنیا چھوڑنی ہے اور اس احکم الحاکمین کے دربار میں پیش ہونا ہے۔ یہ دنیا اپنی تمام رعنائیوں کے باوجود۔ عزیز و اقارب کی تمام آہ و زاریوں کے باوصف،

چھوڑ کر اس کے سامنے پیش ہو جاتا ہے۔ وہاں سوائے نیک اعمال کے کوئی چیز کام نہ آوے گی۔ یہ شان و شوکت۔ یہ طاقت۔ یہ اثر و رسوخ۔ یہ مال و اولاد سب کچھ یہیں دھرا رہ جائے گا۔ ؎

سب ٹھاٹھ دھرا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

اور صرف نیک اعمال کردار اور بھلائیاں ساتھ جائیں گی۔ حدیث شریف میں آیا ہے تسنّو تنو المعرق۔ اس پیشی کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو اور اس یوم حساب سے پہلے اپنا حساب ٹھیک کر لو۔ حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا اس گھڑی سے پیشتر کہ ہمارا حساب ہو اپنا حساب خود کر لو۔ اور اپنے اعمال پر کبھی تاؤ ان نہ ہو کہ ہمارے اعمال نجات کے لئے کافی نہیں۔ اس مالک الملک کی نجات کو جذب کرنے کے لئے اس کی رحمت درکار ہے۔ وہ برگزیدہ ہستی جس سے زیادہ خدا کا کوئی محبوب نہیں۔ جو قاب قوسین کا مصداق تھا۔ جس کی پرواز سدرۃ المنتہیٰ تک تھی۔ جس کا شریک جبرائیل امین بھی نہ ہو سکا۔ کہ ایک مقام پر جا کر جبرائیل بھی رُک گئے اور کہا۔ ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم فروغِ تجلّی بسوزد پرم

اے محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اگر اس مقام سے آگے میں بال برابر بھی پرواز کروں تو خداوندی تجلّی میرے پر جلا کر رکھ دے۔

وہ بھی فرماتے ہیں الا ان یتغمدنی اللہ برحمۃ منہ کہ خدا کی رحمت کی چادر ڈھانپ لے تو گزارا ہو گا۔ اپنی نورِ نظر لختِ جگر حضرت فاطمہ کو فرماتے ہیں۔ فاطمہ اپنے نفس کو بچا۔ میں خدا کے بالمقابل تیرے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

پہلی بار مجھے اپنی زندگی میں ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی کو ۱۹۴۲ء میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ واپسی پر جب میرے گاؤں کے ایک ہندو نے پوچھا۔ آپ نے وہاں کیا دیکھا تو میں نے اسے جو جواب دیا۔ وہ میرے دل اور دماغ کے ان تاثرات کا نتیجہ تھا جو میں نے وہاں محسوس کئے۔ بادشاہوں کے مقابر دیکھے۔ وزراء کے مقابر دیکھے۔ بادشاہوں کے ویران محلات دیکھے۔ جس جگہ کبھی پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا۔ وہاں سوائے سیاہ پتھروں اور ویرانی کے کچھ نہ تھا۔ وہاں آج عبرت کا سامان تھا۔ آج وہاں قدرت کی یہ تحریر نظر آتی تھی کہ اے انسان ان کے عروج کا مطالعہ کرنے والے ان کا زوال بھی دیکھ۔ اس دنیا پر انا ولا غیری کا ڈنکا بجانے والے مر گئے۔ سبھی سوئے عدم چلے گئے۔

عرب کا ایک مشہور خطیب قس بن ساعدہ ایادی تھا۔ اس کے خطبات کے شہ پارے تاریخ الادب العرب میں محفوظ ہیں۔ اس کا وعظ بہت پُر تاثیر ہوتا وہ کہتا

اے لوگو سنو اور یاد رکھو۔ جو زندہ ہے وہ ایک دن مر جائے گا۔ اور جو مرا وہ گیا اور جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا رات آئے گی اور پھر دن بھی طلوع ہو گا۔ آسمان برجوں سے مزیّن ہے۔ ستارے چمک رہے ہیں۔ بھرے ہوئے

سمندر موجزن ہیں۔ پہاڑ ایستادہ ہیں۔ زمین کا فرش بچھا ہوا ہے۔ دریا جاری ہیں۔ آسمان میں نہریں ہیں اور زمین عبرت پیش کر رہی ہے۔ لوگ جا رہے ہیں اور واپس نہیں ہوں گے۔ شاید وہ وہاں کی سکونت پر راضی ہو گئے ہیں یا واپسی کے راستے بند ہو گئے ہیں۔ لہذا وہ وہاں سو رہے۔

اے لوگو! باپ دادے کہاں گئے۔ فراعنہ اور شداد کہاں گئے۔ کیا وہ تم سے زیادہ مالدار اور عمر والے نہ تھے زمانہ نے ان کو اپنے سینہ تلے مسل کر رکھ دیا۔ اور باوجود ان کے جاہ وجلال کے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ پھر وہ اشعار پڑھتا کہ جانے والوں میں ہمارے لئے عبرت ہے۔ اور موت کے گھاٹ سے پانی پینے کے بعد وہاں سے لوٹنا نہ ہوگا۔ اور سب چھوٹے بڑے اس طرف رواں دواں ہیں اور کوئی وہاں سے واپس نہ آئے گا ہم بھی وہاں جانے والے ہیں جہاں پہلے گئے۔

یہ دنیا اس کا جاہ وجلال، یہ طاقتیں، یہ رونقیں۔ یہ مال ومنال۔ یہ اقتدار سب عارضی ہیں اور ہم اس کے سامنے ایک بے بس انسان کی طرح پیش ہوں گے۔ سوائے نیک اعمال کے ساتھ کچھ نہیں جائے گا اسی مفہوم کے اشعار اس دفعہ انتخاب میں بھی پیش ہیں۔

(۲)

رضا بالقضاء

خدا کی تقدیر پر ایمان لانا ایمانیات میں سے ہے اور اس کے فیصلہ پر راضی ہونا اور خوش دلی سے اسے قبول کرنا مومن کا ضروری وصف ہے۔ احادیث میں جو یہ فقرہ آتا ہے۔ تومن بالقدر خیرہٖ و شرّہٖ اس کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ خیر سے مراد نیک اعمال کی جزا اور شر سے مراد ہماری بدعملی کی سزا ہے۔ بظاہر نظر کبھی انسان کو خدا کی تقدیر تلخ معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً کسی عزیز کی وفات یا کسی امر میں ناکامی یا کسی نعمت کا سلب۔ ان سب امور کو خوشی سے برداشت کرنا اور خدا کی تقدیر پر راضی ہونا اور اس پر کسی قسم کا جزع فزع نہ کرنا یہی ہے کہ مولا کی رضا اور محبت نصیب ہوتی ہے۔ جس مبارک ہاتھوں سے متعدد میٹھی قاشیں کھائی ہوں اس سے اگر ایک تلخ قاش ملے تو اس پر تھو تھو کرنا کہاں کی محبت ہے۔ اور کیا پتہ کہ وہ کڑوا مشروب ہماری صحت کے لئے ضروری ہو۔ یا ہمارے منہ کے ذائقہ کے خراب ہونے کی وجہ سے ہمیں وہ تلخ معلوم ہوتا ہو۔ اور اس گھونٹ کے حلق سے نیچے اترتے ہی مرض جاتی رہے۔

جب ہم کسی چیز کے حقیقی مالک ہی نہیں اور یہ سب چیزیں ہمارے پاس چند روزہ امانت ہیں تو ہم اس امانت کی

واپسی پر جزبز کیوں ہوں۔ ہمیں تو خنساء کی طرح یہ کہنا چاہیئے کہ اچھا ہوا امانت امین کے پاس پہنچ گئی۔ قرآن مجید کی اس آیت میں یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (حدید آیت ۲۳، ۲۴)

زمین پر کوئی مصیبت نہیں آتی اور نہ تمہاری جانوں پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ لیکن اس کے ظہور سے پہلے ہم نے اسے مقرر کر دیا ہوتا ہے۔ یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔ تاکہ تم کو اپنی کوتاہی پر کوئی افسوس نہ ہو اور نہ اس پر تم خوش ہو جو اللہ تم کو دے۔ اللہ ہر شیخی خور اکڑباز کو پسند نہیں کرتا۔

آل عمران کی آیت ۱۴۷ میں بھی یہی مضمون بیان فرمایا۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝

کہ بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر ان کی جماعت کے بہت سے لوگوں نے جنگ کی۔ پھر نہ تو وہ اس تکلیف کی وجہ سے جو انہیں اللہ کی راہ میں پہنچی تھی سست ہو گئے اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ انہوں نے دشمنوں کے سامنے تذلل اختیار کیا۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

پس خدا کی طرف سے بظاہر کسی مصیبت کے فیصلہ پر پست ہمت اور سست نہیں ہونا چاہیئے بلکہ مستقل مزاجی اور ثبات کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ یہ ابتلاء اور آزمائشیں تو اس امر کی دلیل ہوتے ہیں کہ خدا اس شخص سے محبت کرتا ہے اس لئے اسے امتحان میں ڈالا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابی حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب کی جب زوجہ محترمہ وفات پا گئیں اور اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گئیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں لکھا۔

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے اس کو قضا و قدر کی مصیبتوں کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے اس پر اس قدر

مصیبتیں نازل ہوئی ہیں کہ جیسے پہاڑ کے اوپر سے نیچے حصہ پر پتھر آتا ہے۔ سو آپ للہ محبت و اخلاص رکھتے ہیں۔ ضرور تھا کہ آزمائے جاتے۔" (اصحاب احمد جلد ۹ صفحہ ۱۴۲)

حضرت مولانا راجیکی صاحب اپنی کتاب حیات قدسی حصہ دوئم میں بیان فرماتے ہیں۔

"۱۹۰۲ء میں جب میں گجرات میں مقیم تھا تو ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔ اور حضرت اقدس کے پاس ایک کاغذ ہے جس میں جماعت کے بعض مخلصین کے نام درج ہیں۔ اور ہر ایک نام کے سامنے اس کا مدعا اغراض و مقاصد کے خانے بنے ہوئے ہیں۔ جو حضرت اقدس دوستوں سے دریافت کر کے تحریر فرماتے ہیں۔ وہ کاغذ جب حضرت اقدس نے میرے سامنے رکھا۔ تو میں نے اس میں اپنا نام تحریر پایا۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ بتائیے میں آپ کے کس مدعا کے لئے دعا کروں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میرا مدعا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنی محبت اور عشق عطا فرمائے۔ اور رضا بالقضاء کا مرتبہ نصیب ہو۔ تب اس وقت حضرت اقدس نے میرے نام کے سامنے کے خانہ میں میرا یہ مقصد درج فرما لیا اور میں بیدار ہو گیا۔"

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عشق الٰہی رضا بالقضاء کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور رضا بالقضاء بھی خدا کی محبت کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔

اے مولا ہمیں اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ ہم تیری تقدیر اور فیصلہ پر راضی ہونیوالے ہوں۔ اور کوئی امتحان اور ابتلاء ہمارے قدموں میں لغزش پیدا نہ کر سکے۔ کیا یہ حق نہیں کہ جو کچھ یار حقیقی کی طرف سے آتا ہے وہ بہتر ہے۔

—— (۳) ——

مرکز میں چند روز

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ پرندوں کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں سدھائے ہوئے پرندوں کا ذکر ہے۔ کہ یہ تربیت یافتہ طیور لاہوتی جہاں ہوں آواز بلند ہونے پر اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز ہو جاتے ہیں۔ فضائے آسمانی کے پرندوں کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ پرندہ اپنے گھونسلے سے اللہ پر توکل کرتے ہوئے صبح پرواز کرتا ہے۔ اور شام کو پیٹ بھر کر اپنے نشیمن میں واپس آ جاتا ہے۔ سیدنا حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"جاؤ اور دنیا میں پھیل جاؤ کہ کامیابی کا ذریعہ یہی ہے اور جب آواز پہنچے تو یوں جمع ہو جاؤ۔
جس طرح پرندے اُڑ کر جمع ہو جاتے ہیں۔"

اے ابراہیمی پرندو! ایک بار پھر مرکز میں تربیت کی غرض سے تمہیں بلایا جا رہا ہے۔ خدام الاحمدیہ کی تربیتی کلاس ربوہ میں ۱۵ اپریل سے یکم مئی تک منعقد ہو رہی ہے۔ خدام کی ہر مجلس کی اس میں نمائندگی ہونی چاہیئے۔ میٹرک کا امتحان دینے والے نوجوانوں کے لئے بالخصوص یہ نادر موقعہ ہے۔ زعماء انصار اللہ کوشش کر کے خدام کو اس میں بھجوائیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے اب تربیت کی ذمہ واری انصار پر ڈالی ہے پس کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ بچے اس تربیت سے فائدہ اٹھائیں ۔

(۴)

علم و عمل

علم بغیر عمل کے کوئی چیز نہیں کہ قرآن پاک میں جگہ جگہ اسکی مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ کہ وہ جو تورات پڑھتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے اُن کی مثال گدھے کی سی ہے کہ اس پر کتابیں لاد دی جائیں تو گدھے پر بوجھ کے علاوہ اور کیا ہوگا۔ اور دوسری جگہ فرمایا۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ امر بہت بڑی ناراضگی کا باعث ہے کہ ہم خود عمل نہ کریں۔ لیکن لوگوں کو دعوتِ عمل دیں۔ اور احادیث میں اس عالم کے لئے جو عمل نہ کرتا ہو یہ تشدید آئی ہے کہ قیامت کے دن جن تین آدمیوں پر سب سے پہلے آگ بھڑکائی جائے گی۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس نے علم تو حاصل کیا لیکن عمل نہ کیا۔

بے شک عمل کی توفیق بھی صحیح عقیدہ سے ملتی ہے اور علم کا حصول عمل سے قبل ہوتا ہے۔ حسن امت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب میں باب باندھا العلم قبل العمل کہ عمل سے پہلے علم یعنی دانستن اور دانش کا حصول ہے۔ اور علم کی فضیلت میں انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی آیات اور احادیث درج فرمائی ہیں۔ علم اور عمل کی تکمیل سے ہی بہتر انسان بن سکتا ہے۔ اور اسکے کسی ایک پہلو کی کمزوری اعلیٰ انسانیت کی راہ میں ایک روک ہوگی۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ہماری نجات .... عقائد حقہ اور اخلاقِ صحیحہ اور اعمالِ حسنہ کے دریافت کرنے پر موقوف ہے۔" (پرانی تحریریں ص۲۵)

مجلس انصار اللہ کا فرض ہے کہ اب جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے نئی پود کی تربیت کی ذمہ داری ان پر ڈالی ہے تو ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر نئی نسل کی تربیت کریں۔ انہیں اپنے عقائد کا بھی علم ہو اور اخلاقِ حسنہ اور اعمال

ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ

تین مقبول دعائیں

عن ابی ھریرۃ عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال ثلاث دعوات مستجابات۔ دعوۃ المظلوم ودعوۃ المسافر ودعوۃ الوالد علیٰ ولدہ۔

(ادب المفرد باب دعوۃ المظلوم)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ مظلوم کی دعا۔ مسافر کی دعا اور باپ کی بیٹے کے حق میں دُعا

دعاؤں کی کیا تاثیر ہوتی ہے اس کی متعدد مثالیں احادیث میں ملتی ہیں۔ خدا تعالےٰ کی قدرتوں اور اس کی صفات کا مشاہدہ کرنے والا اس کے سوا کسی اور سے مانگتا ہی نہیں۔ اس کا توکل اسی مالک حقیقی پر ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جوتی کا تسمہ یعنی اپنی معمولی سے معمولی ضرورت بھی اسی سے مانگو۔ خداوند تعالےٰ باحیا سخی ہے اس سے جب بندہ مانگتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور اپنے در کے سوالی کو وہ خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ خدا کی تقدیر اور اس کی منشاء کے خلاف دعا قبول نہیں ہوتی۔ ہاں قبولیتِ دعا کے لئے بعض خاص مواقع ہوتے ہیں۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے۔ دو مواقع کی دعائیں کبھی رَد نہیں ہوتیں یا بہت کم رَد ہوتی ہیں۔ ایک اذان کے وقت کی دعا۔ دوسرے بارش کے وقت کی دُعا کہ یہ دونوں مواقع رحمتِ باری کے نزول کے مواقع ہیں۔ اسی طرح مظلوم اور مسافر کی دعاؤں میں اضطرار اور الحاح ہوتا ہے اور وہ بے بسی اور بے کسی کی دعائیں ہوتی ہیں۔ اور باپ کی دعا اولاد کے حق میں اپنے اندر ایک جوش اور تڑپ رکھتی ہے۔ اس لئے قبول ہوتی ہے۔ اور مظلوم کی دعا کے متعلق تو حدیث میں آتا ہے کہ اس دعا اور باری تعالےٰ کے درمیان کوئی روک نہیں ہوتی۔ ضرورت ہے کہ ہم دعا کی طرف متوجہ ہوں الحاح بے بسی۔ لاچاری اور مستقل مزاجی سے دعا کریں۔ جلد مایوس نہ ہوں اور سوائے خدا کے کسی اور پر بھروسہ نہ رکھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اب جو کچھ ہوگا دعا سے ہوگا۔ اسی کے ہاتھ کی طرف دیکھیں۔ اسی کے سامنے جھکیں جبین نیاز ایسی اس کے سامنے رکھیں کہ اسے ہماری بے بسی پر ترس آ جائے۔ ہماری لاچاری اور آہ وزاری اس کے رحم کو کھینچ لائے۔ وہ اپنے حضور جھکنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔ اور جو اس کے سامنے نہیں جھکتے اس کی پرواہ بھی نہیں کرتا فرمایا۔ قل ما یعبؤا بکم ربّی لولا دعاؤکم۔ اگر تم خدا کو پکارو گے نہیں تو خدا کو بھی تمہاری پرواہ نہیں کرے گا۔

—(ملفوظات امام الزمان علیہ السلام)—

متکفل خدا تعالیٰ ہے۔ فرمایا:۔

"ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ اگر سارا جہاں ہمارا عیال ہو جائے تو ہمارے مہمات کا متکفل خدا تعالیٰ ہے اور ہم پر ذرا بھی بوجھ نہیں۔ ہمیں تو دوستوں کے وجود سے بڑی راحت پہنچتی ہے"۔ (ملفوظات جلد اوّل ص۴۵۵)

نفس پر قابو۔ فرمایا:۔

"مَیں اپنے نفس پر اتنا قابو رکھتا ہوں اور خدا تعالیٰ نے میرے نفس کو ایسا مسلمان بنایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک سال بھر میرے سامنے میرے نفس کو گندی سے گندی گالی دیتا رہے آخر وہی شرمندہ ہوگا اور اسے اقرار کرنا پڑے گا کہ وہ میرے پاؤں جگہ سے اکھاڑ نہ سکا۔" (ایضاً ص۴۵۶)

ابتلاء کے وقت۔ فرمایا:۔

"ابتلاء کے وقت ہمیں اندیشہ اپنی جماعت کے بعض ضعیف دلوں کا ہوتا ہے میرا تو یہ حال ہے کہ اگر مجھے صاف آواز آوے کہ تو مخذول ہے اور تیری کوئی مُراد ہم پوری نہ کریں گے تو مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ اس عشق اور محبتِ الٰہی اور خدمتِ دین میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اس لئے کہ مَیں اسے دیکھ چکا ہوں۔" (ایضاً ص۴۵۷)

خدا تعالیٰ اپنے بندہ کو ضائع نہیں کریگا۔ فرمایا:۔

"کوئی معاملہ زمین پر واقعہ نہیں ہوتا جب تک پہلے آسمان پر طے نہ ہو جائے اور خدا تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اپنے بندہ کو ذلیل اور ضائع نہیں کریگا۔" (ایضاً ص۴۵۸)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم عربی کلام

عَلَیْکَ کُلُّ تَوَکُّلِیْ وَرَجَائِیْ

(تجھ پر میرا سارا توکّل اور امید ہے)

حِبٌّ لَنَا فَنُحِبُّهٗ نَتَحَبَّبُ
ہمارا ایک دوست ہے اور ہم اس کی محبت سے پُر ہیں
وَعَنِ الْمَنَازِلِ وَالْمَرَاتِبِ نَرْغَبُ
اور مراتب و منازل سے ہمیں بے رغبتی اور نفرت ہے

اِنِّیْ اَرَی الدُّنْیَا وَمُلْدَغَةً اَهْلُهَا
جَدَبَتْ وَاَرْضُ وِدَادِنَا لَا تُجْدِبُ
میں دیکھتا ہوں کہ دنیا اور اس کے طالبوں کی زمین قحط زدہ ہے یعنی جلد تباہ ہو جائیگی اور ہماری محبت کی زمین کبھی قحط زدہ نہ ہوگی

یَتَمَایَلُوْنَ عَلَی النَّعِیْمِ وَاِنَّنَا
لوگ دنیا کی نعمتوں پر جھکتے ہیں مگر ہم
مِلْنَا اِلٰی وَجْهٍ یُسَرُّ وَیُطْرِبُ
اس منہ کی طرف جھک گئے جو خوشی پہنچانیوالا اور طرب انگیز ہے

اِنَّا تَعَلَّقْنَا بِنُوْرِ حَبِیْبِنَا
ہم اپنے حبیب کے دامن سے وابستہ ہیں
حَتّٰی اسْتَنَارَ لَنَا الَّذِیْ لَا یُحْسَبُ
پس جو صاف شفاف نہیں ہو سکتا تھا وہ بھی ہمارے لئے منور ہو گیا

یَا مَنْ اَحَاطَ الْخَلْقَ بِالْاٰلَاءِ
اے وہ ذات کہ نعمتوں سے مخلوق کا احاطہ کئے ہوئے ہے
نُثْنِیْ عَلَیْکَ وَلَیْسَ حَوْلُ ثَنَاءِ
ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور تعریف کی ہمیں طاقت نہیں

اُنْظُرْ اِلَیَّ بِرَحْمَةٍ وَّعَطُوْفَةٍ
میری طرف رحمت اور مہربانی سے توجہ کر
یَا مَلْجَئِیْ یَا کَاشِفَ الْغَمَّاءِ
اے میری پناہ اے تاریکیوں کے دور کرنے والے

اَنْتَ الْمَلَاذُ وَاَنْتَ کَهْفُ نُفُوْسِنَا
تو ہی جائے پناہ ہے اور تو ہی ہماری جانوں کی پناہ ہے۔
فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا وَبَعْدَ فَنَاءِ
اس دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد بھی

اِنَّا رَاَیْنَا فِی الظَّلَامِ مُصِیْبَةً
ہم نے تاریکی کے زمانہ میں مصیبت دیکھی ہے۔
فَارْحَمْ وَاَنْزِلْنَا بِدَارِ ضِیَاءِ
پس ہمیں رحم کرکے نور کے گھر میں اتار دے۔

تَعْفُوْ عَنِ الذَّنْبِ الْعَظِیْمِ بِتَوْبَةٍ
بڑے بڑے گناہوں کو تو توبہ سے بخش دیتا ہے۔
تُنْجِیْ رِقَابَ النَّاسِ مِنْ اَعْبَاءِ
اور بوجھوں سے لوگوں کی گردنوں کو نجات دیتا ہے۔

اَنْتَ الْمُرَادُ وَاَنْتَ مَطْلَبُ مُهْجَتِیْ
تو ہی مراد ہے تو ہی میرے دل کا مطلب ہے۔
وَعَلَیْکَ کُلُّ تَوَکُّلِیْ وَرَجَائِیْ
اور تجھ پر میرا سارا توکل اور امید ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم فارسی کلام

بدنیا کسے جاودانہ نماند

(دنیا میں کوئی ہمیشہ نہیں رہا)

اجل بر سرت ہستی ات چوں حباب — تو زیں سال سر اندر نہادہ بخواب
موت تیرے سر پر ہے اور تیری ہستی حباب کی مانند ہے۔ مگر تو خوابِ غفلت میں مدہوش ہے۔

بآباؤ اجداد پیشیں نگر — کہ چوں درگذشتند زیں رہگذر
اپنے پچھلے باپ دادوں کو دیکھ۔ کہ وہ کس طرح اس دنیا سے گزر گئے۔

بیادت نماند است انجام شاں — فراموش کردی در اندک زماں
ان کا انجام تجھے یاد نہیں رہا۔ اور تو نے تھوڑے ہی دنوں میں اسے بھی بھلا دیا

خودت با اجل چیست از مکر و بند — چہ دیوار داری کشیدہ بلند
موت کے مقابلہ میں تیرے پاس کیا حیلے ہیں۔ کیا تو نے اس کے روکنے کے لئے کوئی دیوار بنائی ہے

چو ناگہ نہنگ اجل در کشد — چرا آدمی ایں چنیں سر کشد
جب اچانک موت کا مگرمچھ انسان کو کھینچ کر لے جاتا ہے۔ تو پھر آدمی اتنا تکبر کیوں کرے۔

بدنیائے دوں دل مبند اے جواں — تماشائے آں بگذرد ناگہاں
اے جوان! اس ذلیل دنیا سے دل نہ لگا۔ کیونکہ جھٹ پٹ اس کا تماشہ ختم ہو جاتا ہے۔

بدنیا کسے جاودانہ نماند — بیک رنگ وضعِ زمانہ نماند
دنیا میں کوئی بھی ہمیشہ نہیں رہا۔ اور زمانہ کا حال ایک جیسا نہیں رہتا۔

بدست خود از حالتِ دردناک — سپردیم بسیار کس را بخاک
ہم نے درد بھرے دل کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے بکثرت لوگوں کو خاک کے سپرد کیا ہے۔

چہ خود دفن کردیم خلقے کثیر — چرا یاد ناریم روزِ اخیر
ہم نے خود بہت سی مخلوق کو دفن کیا ہے۔ تو پھر کیوں نہ ہم اپنی موت کا دن یاد رکھیں

بترس اے معاند ز قہرِ خدا — کہ سخت است قہرِ خداوندِ ما
اے مخالف خدا کے غضب سے ڈر کہ ہمارے خدا کا قہر بہت سخت ہے۔

تاریخ اسلام کا ایک ورق

محبوبِ کبریاء کی بیماری اور وفات

از ایڈیٹر

یہ ۱۱ھ کا آغاز تھا۔ آپؐ کے مشن کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو بلاوا کے اشارے مل چکے تھے۔ آپؐ غزوۂ احد کے آٹھ سال بعد شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ ان کے لئے دعائے خیر فرمائی اور اس رقت انگیز طریق سے ان کو الوداع کیا۔ جیسے ایک مرنے والا اپنے زندہ احبا کو الوداع کرتا ہے۔

حضورؐ کی تقریر اور امیر لشکر کا تقرر

اس کے بعد ایک تقریر فرمائی جس میں فرمایا۔ مَیں تم سے پہلے حوض کوثر پر جا رہا ہوں۔ مجھے خوف نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرو گے لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور آپس میں لڑنے نہ لگو۔ پھر تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے۔ جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔ نو ہجری کے آغاز میں موتہ (شام) کی طرف اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں ۳ ہزار کا لشکر بھجوایا۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اگر زید شہید ہو جائے تو جعفر امیر لشکر ہوں گے۔ اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ۔ تقدیر الٰہی سے تینوں شہید ہو گئے۔ کفار کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی۔ ان تینوں کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ نے کمان سنبھال لی۔ اور دشمن سے لڑتے ہوئے اپنی فوج کو دشمن کے نرغے سے نکال لائے۔ اب حضورؐ نے زیدؓ کے نوجوان بیٹے اسامہؓ کو امیر لشکر بنا کر جن کی عمر اس وقت صرف سترہ سال تھی۔ اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے بھیجا ان کے جھنڈے کو اپنے ہاتھ سے باندھا۔ لیکن حضورؐ کی بیماری خطرناک صورت اختیار کر گئی۔ اور یہ لشکر پھر حضورؐ کے وصال کے بعد روانہ ہو سکا۔ اس لشکر میں اسامہؓ کی قیادت میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ جیسے کبار صحابہ بھی شامل تھے۔

بیماری کی تفصیل

آپؐ کی بیماری کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ ہجری بمطابق مئی ۶۳۲ء آپؐ مسلمانوں کے

قبرستان جنت البقیع میں تشریف لے گئے۔ واپسی پر طبیعت ناساز ہو گئی۔ سر میں درد پھر شدید تپ نازک صورت اختیار کر گیا۔ ساتویں دن کچھ افاقہ ہوا۔ سر پہ پٹی باندھ کر مغرب کی نماز کے لئے تشریف لائے عشاء کی نماز کے وقت پھر غنودگی طاری ہو گئی۔ بدن پر سات مشکیزے پانی کے باری باری ڈلوائے۔ اٹھنا چاہا تو جسم میں سکت نہ تھی۔ فرمایا ابوبکرؓ کو کہو نماز پڑھا دیں۔ چنانچہ اس کے بعد تین روز تک ابوبکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے۔ چوتھے روز ظہر کی نماز کے وقت طبیعت میں کچھ سکون تھا۔ پانی کے سات مشکیزے تپ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جسم پر ڈلوائے۔ پھر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ آہٹ پا کر انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ لیکن آپؐ نے اشارہ سے انہیں وہیں رہنے کا ارشاد فرمایا اور خود ان کے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔ اس کے بعد ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔

آخری خطبہ

خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈرتے ہو۔ کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی زندہ رہا کہ میں رہوں سنو میں اپنے خدا کے پاس جانے والا ہوں اور پھر تم بھی مجھے ملو گے۔ میں تمہیں مہاجرین سے حسن سلوک کی تاکید کرتا ہوں اور مہاجرین کو بھی کہتا ہوں کہ باہم محبت سے رہیں۔ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ میں زمانہ کو بطور شہادت کے پیش کرتا ہوں کہ انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور اعمال صالحہ بجا لائیں۔ اور صداقت اور صبر کی ایک دوسرے کو تاکید کریں۔ اور سنو تمام کام خدا کے حکم کے ماتحت ہی ہوتے ہیں۔ اگر کسی معاملہ میں دیری ہو تو اسے جلدی نہ چاہو کہ خدا کسی کی جلدی کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا۔ اور جو خدا پر غالب آنا چاہے گا اس پر خدا غالب ہو گا۔ اور جو خدا کو دھوکہ دینا چاہے گا۔ خدا اسے دھوکے کی سزا دے گا۔ دیکھو زمین میں فساد نہ کرنا اور رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کرنا۔ اور میں تمہیں انصار کے متعلق حسن سلوک کی تاکید کرتا ہوں کہ اللہ نے ان کے ایمان کی قرآن میں تعریف کی ہے۔ انہوں نے اپنی آمدنیوں میں تمہیں شریک کیا اپنے گھروں کو تمہارے لئے فراخ کیا۔ اور اپنے نفسوں پر باوجود اپنی ضروریات کے تم کو ترجیح دی۔ ان کے احسانات کا خیال رکھنا اور ان کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا۔ اور ان پر کسی کو ترجیح نہ دینا۔ اب میں حوض کوثر پر تمہارا استقبال کروں گا جو چاہتا ہے کہ مجھے وہاں ملے وہ اپنی زبان اور ہاتھ کو روک رکھے۔"

آپؐ کا وصال

اتوار کے روز آپؐ کی تکلیف بڑھ گئی اور جب ۱۲ ربیع الاول سوموار کا دن آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ شدید ہوگئی۔ حضرت عائشہؓ کی گود میں آپؐ کا سر تھا۔ حضرت عائشہؓ کے بھائی آئے۔ وہ مسواک کر رہے تھے۔ حضورؐ نے ان کی طرف دیکھا حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں۔ مسواک لے کر اسے نرم کر کے حضورؐ کو دی۔ آپؐ نے دانت اور منہ صاف کیا۔ حضرت اسامہؓ پاس تھے ان کو بلایا ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ گویا اس یتیم کو آسمانی آقا کے سپرد فرما رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا مسلمانو! "نماز کا خیال رکھنا اور غلاموں سے حسنِ سلوک کرنا" اس کے بعد آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے فرماتے رہے "اے اللہ۔ اے بلند و برتر ساتھی"۔ یہ کہتے ہوئے ہاتھ ڈھلک گیا۔ اور صادق و امین کی روح امانت کا حق ادا کر کے قفسِ عنصری سے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ اور اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہوگئی۔ خدا کی ان گنت رحمتیں ہوں آپؐ کی روح پر۔

آج مسلمانوں کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ ان کا محبوب۔ ماں باپ اولاد سے زیادہ محبوب خاموش تھا حسانؓ مدینہ کی گلیوں میں رو رو کر شعر پڑھ رہا تھا اور کون تھا جو اشکبار نہ تھا۔ عمرؓ مارے غم کے تلوار سونت کر کھڑے ہوگئے کہ جو کہے گا حضور فوت ہوگئے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ آہ محبت کے بھی عجیب انداز ہیں رفیق غار ابوبکرؓ آئے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھایا پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ پھر باہر تشریف لائے اور کہا۔

"جو محمدؐ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے محمدؐ فوت ہوگئے۔ لیکن جو خدا کی عبادت کرتا تھا وہ یاد رکھے کہ خدا زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ پھر یہ آیت پڑھی کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آپؐ سے پہلے تمام انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔ پس اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل ہو جائیں۔ تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا وہ خدا کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دے گا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ آیتیں سنیں تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آج ہی اتری ہیں اور میری ٹانگیں لڑکھڑا گئیں اور میں زمین پر گر گیا۔

تدفین

۱۲ ربیع الاول کو آپؐ کا وصال ہوا تھا۔ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں ہی لوگ آکر جنازہ پڑھتے رہے

ہو وہ کو خلیفہ کے انتخاب کے بعد رات کے وقت آپؐ کی تدفین ہوئی۔ حضرت علیؓ اور عباسؓ نے لحد میں حضورؐ کو رکھا۔ اور زمین سے ایک بالشت ابھری ہوئی آپؐ کی قبر بنائی۔ قبر تیار ہونے پر بلالؓ نے اس پر پانی چھڑکا۔

آپؐ نے فرمایا تھا لاتتخذوا قبری وثناً یعبد من بعدی۔ میرے بعد میری قبر کو بُت نہ بنا لینا کہ اس کی عبادت کرنے لگ جاؤ۔ حضورؐ کی قبر آج تک پکی ہے۔ اور اسی حجرۂ عائشہؓ میں اپنے دونوں دوستوں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان یہ محبوبِ خدا ابدی نیند سو رہے ہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ چالیس سال کی عمر تھی۔ آپؐ نے نبوت کا دعوےٰ فرمایا۔ تیرہ سال دعوئ نبوت کے بعد مکہ میں قیام پذیر رہے۔ ۵۳ برس کی عمر میں مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ دس سال تک مدینہ میں رہے۔

حُلیہ اور عادات

حضورؐ خلق اور خُلق میں بے مثال تھے۔ آپؐ کا قد میانہ تھا۔ رنگ سفید سرخی مائل۔ پیشانی کشادہ ابرو ملے ہوئے تھے۔ چہرہ ہلکا تھا۔ گوشت سے بہت بھرا نہ تھا۔ منہ کشادہ تھا۔ دندان مبارک بہت ملے ہوئے نہ تھے۔ گردن اونچی تھی سر بڑا اور سینہ کشادہ تھا۔ بال نہ بہت گھنگھریالے تھے نہ بالکل سیدھے۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ آنکھیں سیاہ تھیں پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ شانے پر گوشت تھا۔ کندھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں سینہ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی لکیر تھی۔ شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں گوشت سے پُر تھیں۔ کلائیاں لمبی تھیں پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے خالی تھے۔ اللہ نے آپؐ کو ظاہری حُسن بھی عطا فرمایا تھا اور باطنی حُسن سے بھی نوازا تھا۔

حقیقی راحت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"مومن کو حقیقی راحت اور آسائش کے لئے دو بجد ا ہونا چاہیئے۔ جو مومن آسائش کی زندگی چاہتے ہیں وہ خدا تعالےٰ پر بھروسہ کریں اور اس کے سوا اور کسی پر بھروسہ نہ کریں۔"

(ملفوظات جلد ششم صفحہ ۳۲۷)

حقیقۃ الجہاد

محترم مرزا عبد الحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا

(قسط نمبر ۲)

اشاعتِ اسلام اور ملک گیری کے لئے جنگ

اسلام نے ہدایت کو پھیلانے اور ملک گیری کے لئے جنگ کی اجازت نہیں دی۔ ملک گیری والا معاملہ تو صاف ہے کہ یہ دوسرے کی چیز پر قبضہ کرنا ہے جو صریحاً ناجائز ہے۔ ہاں اگر دشمن خود حملہ آور ہو۔ تو وہ اس حق کو خود ضائع کر لیتا ہے۔ اور اس کے فتنہ کو دور کرنے کے لئے اس کے ملک پر بھی قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ صلح کی طرف مائل ہو جائے اور صلح سے اس کا خطرہ واقعی دور ہوتا ہو تو اس سے صلح کر لینے کا حکم ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (انفال آیت ۶۲)

یعنی اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو تو اس سے صلح کر لو۔

ہدایت کو پھیلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہادِ کبیر یعنی تبلیغ کا حکم دیا ہے۔ اس کے لئے کسی صورت میں بھی جبر اختیار کرنے یا جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ ہر شخص کی مرضی پر چھوڑا ہے کہ وہ ہدایت قبول کرے یا نہ کرے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ثواب کا سوال ہی اٹھ جاتا۔ ثواب صرف اس بات میں ہے کہ انسان اپنی آزادانہ مرضی کے ساتھ سچائی کو قبول کرے۔ اور سچائی کو کسی طور سے بھی اس پر ٹھونسا نہ جائے۔ چنانچہ اس بارہ میں ارشاداتِ الٰہی یہ ہیں:۔

۱۔ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (بقرہ ۲۵۷)

ترجمہ۔ دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں۔ کیونکہ ہدایت اور گمراہی کا فرق خوب ظاہر ہو چکا ہے۔

۲۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

(کہف ۳۰)

ترجمہ۔ کہہ دے کہ سچائی تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے۔

۳۔ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ (آل عمران ۲۱)

ترجمہ۔ اور اہل کتاب اور امیوں کو کہہ دے کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ہدایت پا گئے اور اگر وہ پھر جائیں تو تجھ پر صرف پیغام کو اچھی طرح پہنچا دینا ہے (اس سے زیادہ کچھ نہیں)

۴۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝

(سورہ یونس آیت ۱۰۹)

ترجمہ۔ تو کہہ دے اے لوگو تمہارے رب کی طرف سے حق آیا ہے۔ پس جو کوئی ہدایت کو قبول کریگا وہ اپنی جان ہی کے فائدہ کے لئے قبول کرے گا اور جو اس راہ سے بھٹک جائے تو اس کے بھٹکنے کا وبال بھی اس کی جان پر ہی ہوگا۔ اور میں تمہارا کوئی ذمہ وار نہیں ہوں

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے مطابق ایک غلطی کا ازالہ ضروری ہے۔ بعض لوگ اس کے معنی یہ لیتے ہیں کہ اسلام میں جبراً داخل کرنا تو جائز نہیں لیکن اگر کوئی داخل ہونے کے بعد اس سے نکل جانا چاہے تو اس کا اسے اختیار نہیں۔ اور وہ قابل سزا ہو جاتا ہے اور یہ سزا اس کی گردن کو اڑا دینا ہے۔ حالانکہ کسی دین میں جبراً رکھنا بھی ویسا ہی جبر ہے جیسا کہ اس میں جبراً داخل کرنا۔ دونوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں۔ خدائے حکیم نے فی الدین کے الفاظ رکھ کر جبر سے کام نہ لینے کو اتنی وسعت دے دی ہے کہ دین کے کسی حصہ میں بھی جبر کرنا جائز نہیں رکھا۔ نہ اس میں داخل ہونے کے لئے نہ اس میں داخل رہنے کے لئے اور نہ ہی اس پر عمل کرنے کے لئے۔ عمل کے لحاظ سے البتہ دو حصوں میں فرق ہے۔ دین نے دو قسم کے حقوق قائم کئے ہیں۔ حقوق اللہ یعنی خالق کا حق اپنی مخلوق پر اور حقوق العباد۔ یعنی بندوں کے حقوق ایک دوسرے کے اوپر۔ حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوئی جبر نہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور مختلف قسم کی عبادات اس میں آتی ہیں۔ نہ ان کی ادائیگی کے لئے کوئی جبر رکھا ہے۔ اور نہ ان کی عدم ادائیگی پر کوئی تعزیر یعنی دنیوی سزا۔ آخرت کی سزا ایک الگ امر ہے۔

حقوق العباد میں البتہ جبر رکھا ہے یعنی انسان کے لئے ان کی ادائیگی اس طور سے لازم کی گئی ہے کہ

اگر وہ ان حقوق کو ادا نہ کرے تو قابل سزا ہوتا ہے۔ ورنہ دنیا کا نظام نہ چل سکتا۔ اور ہر طرف بدامنی پھیل جاتی۔ ان حقوق میں جان مال اور عزت کی حفاظت وغیرہ داخل ہیں۔

یہ اکیلی آیت ہی ارتداد کے مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن چونکہ بعض علماء نے اس مسئلہ پر بہت زور دیا ہے۔ اس لئے یہاں تین اور آیتیں بھی اس بارہ میں درج کی جاتی ہیں:۔

۱۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۝ (نساء ۱۳۸)

ترجمہ۔

جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر ایمان لائے پھر انکار کر دیا۔ پھر کفر میں اور بھی بڑھ گئے۔ اللہ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ انہیں معاف کرے۔ اور نہ وہ ان کو نجات کا راستہ دکھلائے گا۔

اگر ایمان کو چھوڑ کر کفر میں آنا قابل سزا ہوتا تو ایسا شخص زندہ ہی نہ رہتا۔ کہ اُسے دوبارہ ایمان لانے کا موقعہ ملے۔ بلکہ دوبارہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو جانے اور کفر میں بڑھ جانے کو بھی قابل سزا نہیں رکھا۔

۲۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝ (آل عمران ۹۱)

ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور پھر کفر میں بڑھتے گئے۔ ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی اور وہ گمراہ ہی رہیں گے۔

یہ بھی پہلی آیت کے مترادف ہی ہے۔ البتہ اس میں ایک دفعہ مرتد ہونے کا ذکر ہے جبکہ پہلی آیت میں دو دفعہ مرتد ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (بقرہ ۲۱۸)

ترجمہ۔ اور تم میں سے جو اپنے دین سے ارتداد اختیار کر لے۔ اور پھر کفر کی حالت میں ہی مر جائے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ اور وہ دوزخ کی آگ

میں ڈالے جائیں گے جس میں وہ بہت لمبی مدت رہیں گے۔

اس میں بھی ایسے آدمی کو کوئی سزا دینے کا ذکر نہیں بلکہ اس کے مرجانے کا ہی ذکر ہے۔ جب بھی وہ مرے۔ البتہ ہدایت کو چھوڑ دینے کے نتیجہ میں اخروی سزا کا ذکر ہے۔

اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے لئے قرآن کریم کے اور بھی کئی ایک مقامات ہیں۔ لیکن چونکہ اس جگہ یہ مسئلہ مقصود نہیں اور صرف اس قدر بتانا مقصود ہے کہ دین کے بارے میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں اور نہ ہی کسی قوم کو مسلمان بنانے کے لئے جنگ کی اجازت دی گئی ہے، اس لئے ارتداد کے متعلق اسی قدر بحث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ محض اسلام چھوڑ دینے پر سزا کا کوئی حکم نہیں۔ لیکن اگر جنگ کے حالات ہوں (یعنی عملاً کفار کے ساتھ جنگ جاری ہو یا وقتی طور پر جنگ بند ہو لیکن فریقین جنگ چھڑ جانے کے منتظر ہوں) تو کسی شخص کا اسلام چھوڑ کر کفار میں جا شامل ہونا صرف یہی نہیں کہ اس نے اسلام کو ترک کیا بلکہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے خلاف جا ڈٹا اور یہ قوم اور ملک سے غداری ہے اس لئے قابلِ سزا ہے۔ وہ انہیں اسلامی فوج کے راز بھی بتا سکتا ہے اور ان کے ساتھ شامل ہو کر مسلمانوں کے ساتھ لڑائی بھی کرے گا۔ اس لئے اس کے ساتھ معاملہ ایک جنگ کرنے والے کا فرجیسا کیا جائے گا۔ اس سے بعض لوگوں نے غلطی کھا کر اسے زیادہ وسعت دے دی۔ اور محض اسلام سے ارتداد اختیار کرنے کو قابلِ سزا سمجھا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جنگ

اب یہ دیکھنے کے لئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عملاً اس بارہ میں کیا نمونہ قائم فرمایا آپ کے مبارک وقت میں جو جنگ لڑے گئے ان کے وجوہات بیان کئے جاتے ہیں۔

مکہ میں مسلمانوں پر جو مظالم توڑے گئے وہ صرف اس وجہ سے تھے کہ وہ بتوں سے بیزار ہو کر خدائے واحد و یگانہ پر ایمان لائے تھے۔ قریش کی طرف سے یہ بار بار تجویز کیا گیا کہ کسی طرح اس مذہب کو اور اس کے ماننے والوں کو ختم کیا جائے۔ انہوں نے ایذائیں بھی دیں ایسی ایذائیں کہ ان سے لرزہ طاری ہو تا ہے۔ ایک صحابیہؓ کی ایک ٹانگ ایک اونٹ کے ساتھ باندھ دی گئی اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ کے ساتھ اور ان اونٹوں کو مخالف سمتوں کی طرف دوڑا دیا گیا۔ جس سے اس غریب بخت کا دھڑ دو حصوں میں چیرا گیا۔ قصور اس کا صرف اس قدر تھا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئی تھی۔ بعض صحابہ کو عرب کی تپتی ہوئی گرم ریت پر لٹا کر اوپر بڑا پتھر رکھ دیا جاتا جس سے ان کا جسم بھونا جاتا۔ بعض کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا گیا اور جسم کا کوئی حصہ جلنے سے خالی نہ رہا۔

خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر غلاظتیں پھینکی گئیں۔ آپؐ کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا ۲½ سال کے لمبے عرصہ تک مقاطعہ کیا گیا جس میں کھانے پینے کی چیزیں بھی مہیا ہونے سے روک دی جاتیں اور صحابہؓ کو بعض دفعہ درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرنا پڑتا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے مظالم ان بیچاروں پر کئے گئے۔ اتنی سختیوں کو ناقابل برداشت پا کر جب بعض صحابہؓ نے حبشہ کی طرف ہجرت اختیار کی تو ان کا وہاں بھی پیچھا کیا گیا۔ بالآخر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکلنا پڑا تو پہلے تو مکہ میں ہی آپؐ کے مکان کے گرد گھیرا ڈال کر آپؐ کو مار ڈالنے کی کوشش کی گئی جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو راستہ میں آپؐ کا تعاقب کیا۔ لیکن اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے آپ کو مدینہ لے گیا۔

قریش مکہ نے یہ خفت محسوس کی کہ مسلمان ان کے قبضہ سے نکل گئے ہیں اور ان کے سرداروں نے مدینہ کے رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول کو جسے مدینہ کا بادشاہ بنانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ یہ خط لکھا

انکم اٰویتم صاحبنا و انا نقسم باللہ لتقاتلنّہ او لتخرجنّہ او لنسیرنّ الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم و نستبیح نساءکم (ابوداؤد کتاب الخراج)

آپ لوگوں نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے اور یاد رکھو اگر آپ نے اس کے ساتھ جنگ کر کے اسے نکال نہ دیا تو ہم لشکروں کے ساتھ تم پر چڑھائی کریں گے۔ اور تمہارے جنگجو لوگوں کو مار ڈالیں گے۔ اور تمہاری عورتوں کو اپنے لئے مباح کر لیں گے۔

یہ کیسی خطرناک دھمکی تھی جو اہل مدینہ کو دی گئی۔ اس سے قریش مکہ کے عزائم صاف نظر آتے ہیں کہ وہ مدینہ میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور غریب مسلمانوں کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے اس دھمکی پر ہی بس نہیں کیا۔ بلکہ پے در پے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ رمضان ۲ھ ہجری میں بدر کی جنگ ہوئی۔ شوال ۳ھ ہجری میں احد کی جنگ لڑنی پڑی۔ ۵ھ ہجری میں جنگ احزاب ہوئی۔ جس میں سب قبائل کے دس ہزار آدمی جنگ کرنے کے لئے گئے اور مدینے کو گھیر لیا۔ ۶ھ ہجری میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رؤیا کی بنا پر زیارت کعبہ کے لئے تشریف لے گئے تو حدیبیہ کے مقام پر آپؐ کو روک دیا گیا اس وقت جو صلح نامہ ہوا اس میں کچھ عرصہ بعد آپؐ کو حج کی اجازت تو دی گئی۔ لیکن اس کے بدلہ میں کئی ایک کڑی شرائط منوائی گئیں۔ جو کفار کے پلّہ کو بہت بھاری رکھنے والی تھیں اور مسلمانوں کو نیچا کرنے والی۔ اگرچہ اللہ تعالےٰ نے وہ بھی مسلمانوں کے لئے خیر و برکت کا موجب کر دیں۔ بہرحال اس وقت بظاہر بہت دب کر یہ صلح کی گئی۔

اس صلح میں ایک شرط مساوی سلوک والی بھی تھی اور وہ یہ تھی کہ قبائل عرب میں سے جو چاہیں قریش کا ساتھ دیں اور جو چاہیں مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے

کا فیصلہ کیا اور بنو بکر نے قریش مکہ کا۔ یہ دونوں قبیلے مدت سے برسرپیکار رہتے تھے۔ صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق انہوں نے آپس میں لڑائی بند کر دی۔ لیکن چند روز بعد بنو بکر نے نقض عہد کیا اور قریش نے بھی بجائے انہیں روکنے کے انکی مدد کی۔ خزاعہ نے حرم میں جا کر پناہ لینی چاہی۔ لیکن وہاں بھی انہیں پناہ نہ مل سکی۔ اس پر انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس معاہدہ شکنی کی شکایت کی اور معاہدہ کے مطابق آپ کی امداد کے طالب ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے ماتحت اپنی ذمہ واری پوری کرنے کے لئے قریش مکہ پر دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ ۸ھ ہجری میں چڑھائی کی جس کے نتیجہ میں خدا تعالے کے فضل سے مکہ فتح ہو گیا۔ اگر اس کے لئے یہ فوری وجہ نہ بھی پیدا ہوتی۔ تب بھی قریش کے سابقہ بیس سالہ مظالم اور پے درپے جنگوں کے باعث جو اسلام اور اسلام کے نام لیواؤں کے مٹانے کیلئے کئے گئے مسلمانوں کو یہ پورا حق پہنچتا تھا کہ قریش کی قوت کو توڑنے اور ان کے فتنہ سے محفوظ ہونے کے لئے مکہ پر حملہ آور ہوتے۔ مکہ فتح ہونے سے ہی اسلام جزیرہ عرب میں محفوظ ہوا۔

انہی دنوں میں قبیلہ ہوازن جو بڑا طاقتور قبیلہ تھا اور مسلمانوں سے بہت دشمنی رکھتا تھا جنگ کے لئے تیار ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے مکہ آرہا تھا اور راستہ میں حنین کے مقام پر انہوں نے ڈیرے ڈالے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ میں تھے۔ آپؐ کو اس قبیلہ کے حملہ کے لئے آنے کا علم ہوا تو آپؐ انہیں راستہ میں ہی روکنے کے لئے بارہ ہزار فوج کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اور جنگ حنین لڑا گیا۔ جس میں مسلمانوں کو عارضی شکست کے بعد اللہ تعالے نے فتح عطا فرمائی جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ اس میں ہوازن کے چھ ہزار جنگی قیدی بنائے گئے۔

۹ھ ہجری میں مدینہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ رومی سلطنت اس وقت دنیا کی دو بڑی طاقتوں میں سے ایک تھی۔ دوسری طاقت سلطنت ایران یعنی کسریٰ کی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا۔ دشمن کو اپنے ملک تک آنے دینا غلطی ہوتی ہے۔ اس لئے آپؐ لشکر لے کر انہی طرف چل پڑے۔ اگرچہ مسلمانوں کے لئے یہ نہایت تنگی کا زمانہ تھا اور موسم سخت سردی کا تھا۔ تبوک کے مقام پر پہنچکر حضورؐ کو معلوم ہوا کہ یہ خبر درست نہیں تھی۔ اس پر بغیر حملہ کرنے کے واپس تشریف لے آئے

یہود کے ساتھ مقابلے

یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کو جو مقابلے کرنے پڑے۔ ان کے بواعث بھی اسی قسم کے تھے۔ مدینہ میں یہود کا بہت زور تھا۔ مدت سے انکے تین قبیلے بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ وہاں آباد تھے۔ مشرکین عرب کے دو

قبیلے اوس اور خزرج بھی مدینہ میں آباد تھے۔ لیکن وہ آپس میں برسر پیکار رہتے تھے اور اس طرح یہود کی طاقت کا باعث بنے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ تو آپ نے حکمت عملی کے تحت یہود کے ساتھ یہ معاہدہ کیا کہ اگر کوئی مدینہ پر حملہ آور ہوگا۔ تو یہود مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ لیکن جنگ بدر میں مسلمانوں کو جو کھلی فتح حاصل ہوئی اس کی وجہ سے یہود نے یہ خیال کیا کہ مسلمان اگر زیادہ طاقتور ہوگئے۔ تو یہود کا اپنا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس لئے بنو قینقاع نے وہ معاہدہ توڑ دیا۔ ان کی اس حرکت کی وجہ سے جو مسلمانوں کی حفاظت کے سخت خلاف تھی مسلمانوں کے لئے اس کے سوا چارہ نہ رہا۔ کہ بنو قینقاع کو مدینہ سے نکال دیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ ورنہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی ان کے ہاتھوں نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اندرونی دشمن بیرونی دشمن سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

یہود کا دوسرا قبیلہ بنو نضیر تھا۔ ۴ھ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک معاملہ میں انکی اعانت کے لئے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے سازش کر کے عمرو بن جحاش کو آمادہ کیا کہ وہ آپ کے اوپر پتھر لڑھکا کر نعوذ باللہ ہلاک کردے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کا علم دے دیا تو آپ واپس تشریف لے آئے اور آئندہ ان لوگوں کے فتنہ سے بچنے کے لئے انہیں مدینہ سے نکل جانے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے انکار کیا۔ اور مقابلہ کی تیاریاں کرلیں۔ لیکن مسلمانوں نے ان پر قابو پاکر انہیں مدینہ سے نکال دیا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے۔ اور کچھ خیبر میں جاکر آباد ہوگئے اور وہاں حکومت قائم کرلی۔ انہوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے مکہ میں جاکر قریش کو بھڑکایا اور عرب کا دورہ بھی اس غرض کیلئے کیا اور اس طرح سے ملک میں آگ لگادی۔ اس کے نتیجہ میں شوال ۵ھ ہجری میں قریش مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور جنگ احزاب والا واقعہ ہوا۔

جنگ احزاب کے بعد یہود کا خطرہ زیادہ محسوس کرتے ہوئے ۷ھ ہجری میں خیبر پر چڑھائی کی گئی۔ جہاں یہود نے بڑے بڑے قلعے بنا لئے تھے۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر انہیں شکست ہوئی۔ اور اس طرح سے ان کے فتنہ سے مسلمانوں کو نجات حاصل ہوئی۔

ان واقعات سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا قرآن کریم کے احکام کے عین مطابق کیا۔ اور آپؐ نے جتنی لڑائیاں لڑیں وہ سب دفاعی تھیں۔ قریش نے اسلام اور مسلمانوں کے تباہ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور مسلمانوں نے صرف دفاع کیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کا موقعہ دیا تو آپؐ نے مفتوح قوم کے ساتھ باوجود ان کے انتہائی مظالم کے وہ سلوک کیا کہ تاریخ اسکی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے قلب مبارک میں انسانوں کی ہمدردی کس طرح موجزن تھی

اور صرف ناگزیر حالات میں ہی آپؐ کو جنگ لڑنے پڑے۔ آپؐ کا ہاتھ جب بھی اٹھا ظلم کے ہاتھ کو روکنے کے لئے اٹھا۔ اور جب وہ رک جاتا تو اسے شفقت سے اپنے ساتھ لگا لیتے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ آپؐ نے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی اپنے دستِ مبارک سے نہیں مارا۔ اس رحمۃ للعالمین کو اس بات سے بھی بچایا گیا۔ آپؐ کے ذریعہ انسانوں کو تباہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ انہیں عزت و شرف بخشا گیا۔ معاندین نے اس نقشہ کے کھینچنے میں کیسا ظلم کیا کہ گویا آپؐ کے بائیں ہاتھ میں قرآن تھا اور دائیں ہاتھ میں تلوار۔ اگر کوئی قرآن کو تسلیم نہ کرلیتا۔ تو اس کی گردن اڑا دی جاتی۔ یہ سراسر ظلم ہے۔ آپؐ تو سراپا رحمت اور شفقت تھے۔ آپؐ نے دلوں میں تبدیلی پیدا کی۔ تبدیلی بھی ایسی جس کی مثال دنیا پیش نہیں کرسکی۔ کیا یہ تبدیلی تلوار سے ہوسکتی تھی۔ اس کے لئے تو ایک نہایت درجہ دردمند دل کی ضرورت تھی جو آپؐ کو خدا کی طرف سے دیا گیا تھا۔ کجا تلوار اور کجا یہ دل۔ (باقی)

قومی و علاقائی عصبیت اور اسلام۔ بقیہ صـ۳۲

ذریعہ جماعت کی قرنا ہے ایک ایسی آواز دنیا کو پہنچائے گا جو اس آواز کے سننے سے سعادتمند لوگ ایک ہی مذہب پر اکٹھے ہوجائیں گے اور تفرقہ دور ہوجائے گا اور مختلف قومیں ایک ہی قوم بن جائیں گی۔" (چشمۂ معرفت صـ۷۶)

حضور کے یہ ارشادات ہم یعنی جماعت احمدیہ کے افراد (مرد و عورت) پر جو آپ کے متبع کہلاتے ہیں۔ بڑی بھاری ذمہ واری عائد کرتے ہیں کہ ہم نہ صرف اپنے باہمی اختلافات کو دور کریں اور خاندانی قومی اور علاقائی عصبیت کو دور کرکے باہم بھائی بھائی بن جائیں۔ ایک باپ کی اولاد کی طرح زندگی بسر کریں۔ کوئی کسی پہ اپنا امتیاز نہ جتلائے۔ کسی پر تفوق اور برتری کا دعویٰ نہ کرے۔ کسی سے نفرت اور حقارت کا سلوک نہ کرے۔ کسی پر اپنی دولت علم اور ظاہری اثر و رسوخ کی وجہ سے اپنی فوقیت کو ظاہر نہ کرے بلکہ ہم اپنے ماحول کو بھی ایسا بنائیں اور ایسا معاشرہ قائم کریں کہ باہمی نفرت اور بغض و کینہ کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ حسد تکبر اور تفاخر قومی و نسلی سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے۔ کوئی دوسرے کو تحقیر کی نظر سے نہ دیکھے۔ کوئی کسی کا دشمن نہ ہو۔ ہر طرح مؤاخات، محبت و الفت، یگانگت اور محبت و ائتلاف کی فضا پیدا ہوجائے اور پھر اس ماحول میں اور وسعت پیدا کی جائے۔ اور ایک وقت ایسا آئے کہ اس کا دائرہ کل عالم پر محیط ہوجائے اور کل بنی نوع انسان ایک ہی قوم بن جائیں۔ اور ایک ہی لڑی میں منسلک ہوجائیں۔ اور ایک ہی جسم کی مانند نظر آئیں۔

خدا کرے کہ ہم میں سے ہر ایک کو اسلامی تعلیم پر کماحقہ عمل کرنے اور دوسروں کے لئے بہتر نمونہ پیش کرنے کی توفیق نصیب ہو۔ آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

قومی وعلاقائی عصبیت اور اسلام

(سلطان احمد پیر کوٹی نائب مدیر انصار اللہ)

موجودہ دور میں دنیا میں قومی نسلی، علاقائی بلکہ صوبائی عصبیتیں بڑی شدت کے ساتھ پیدا ہوگئی ہیں۔ قوموں قوموں میں بغض وعناد بڑھ گیا ہے۔ وہ باہم برسر پیکار ہیں۔ ایک قوم اور وطنیت کے لوگ دوسری قوم اور وطنیت کے لوگوں کو حقیر، غیر متمدن اور غیر مہذب گردانتے ہیں اور ان پر حکومت کرنا اور انہیں اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ لینا اپنا حق جانتے ہیں۔ خاندانوں خاندانوں میں بغض وعناد۔ کینہ اور دشمنی کی زیادہ تر وجہ یہی عصبیت اور قومی تفاخر ہے۔ اگر یہ عصبیت اور قومی تفاخر مٹ جائے تو تمام بنی نوع انسان شیر وشکر ہو جائیں۔ وہ دنیا میں باہم بھائی بھائی بن کر رہیں۔ اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں۔ مشکل اور مصیبت میں ایک دوسرے کے ممد ومعاون بنیں اور ایک دوسرے کی خوشحالی اور ترقی کو نہ صرف پسند کریں بلکہ اس کے حصول میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔

قوم اور وطن سے محبت

اپنے علاقہ اور قوم سے محبت کرنا بری بات نہیں ہے بلکہ اسلام نے اس کو پسند فرمایا ہے۔ مثلاً وطن کی محبت کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ وطن کی محبت ایمان کا ایک حصہ ہے۔

نیز فرمایا۔ خَیْرُکُمْ اَلْمُدَافِعُ عَنْ عَشِیْرَتِهٖ مَالَمْ یَاْثَمْ (ابوداؤد) تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اقارب اور قبیلہ وقوم کی طرف سے مدافعت کا فرض انجام دیتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ گناہ کی حد تک عصبیت کو اختیار نہ کرے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ جب آپ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ تو روانگی سے قبل آپ نے مکہ کی طرف آخری نگاہ ڈالی اور فرمایا۔

اے مکہ کی بستی! تو مجھے سب جگہوں سے زیادہ عزیز ہے مگر تیرے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔

اور پھر ہجرت کے بعد جب آپ مکہ معظمہ تشریف لائے اور آپ کو جبل اُحد نظر آیا تو آپ نے فرمایا۔

هٰذَا جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ۔ یہ وہ پہاڑ ہے۔ جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

جنگِ حنین میں دشمن کے اچانک حملہ کی وجہ سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ایک موقعہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے تو آپؐ نے خچر کو ایڑی لگاتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا۔ آپؐ کے دائیں بائیں کمین گاہوں میں بیٹھے ہوئے سپاہی تیراندازی کر رہے تھے۔ آپؐ نے اس وقت بلند آواز سے فرمایا

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب ؕ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

میں خدا کا نبی ہوں میں جھوٹا نہیں ہوں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

گو اس کا مطلب یہ ہے کہ یاد رکھو اگر میں خطرہ کے اس مقام پر ہوتے ہوئے بھی محفوظ ہوں تو اس کے یہ معنے نہیں کہ میرے اندر خدائی کا کوئی مادہ پایا جاتا ہے۔ بلکہ میں انسان ہی ہوں۔ اور عبد المطلب کا پوتا ہوں مگر اس سے یہ مفہوم بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اپنے باپ دادوں اور قبیلہ کی شرافت نجابت اور شجاعت وغیرہ اوصاف پر جائز رنگ میں فخر کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر اس کو ناجائز رنگ دے دیا جائے۔ تو یہ درست نہیں۔

عصبیت اور اسلام

غرض انسان کو اپنی نسل سے اور اپنے صوبہ اور علاقہ سے لازمی طور پر محبت ہوتی چاہیئے اور اس کی حفاظت اور ترقی کے لئے ہر ممکن قربانی کو پیش کرنا اس کا فرض ہے۔ لیکن اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ انسان اپنے صوبہ یا علاقہ اور نسل کی محبت میں اس طرح غلو سے کام لینے لگ جائے کہ دوسرے علاقہ کے لوگوں سے نفرت کے جذبات اپنے دل میں رکھے۔ عصبیت کا یہ رنگ اسلام میں ناپسند کیا گیا ہے۔ محمد رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے جب عصبیت کی تعریف دریافت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا۔

أَنْ تُعِينَ قَوْمَكَ عَلَى الظُّلْمِ (ابو داؤد کتاب الادب) یعنی جب انسان اپنی قوم اور ملک کی اس حد تک حمایت کرتا ہے کہ وہ دوسری اقوام پر ظلم روا رکھنا جائز سمجھنے لگ جاتا ہے تو اس کا نام عصبیت ہے۔ اپنی قوم اور ملک سے محبت ایسی نہیں ہونی چاہیئے۔ کہ وہ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ کی مصداق ہو یعنی دوسرے کے حقوق کا خیال نہ رکھا جائے اور انسان اندھا دھند اپنے خاندان قوم اور ملک کی حمایت کرتا چلا جائے۔ اس قسم کی عصبیت نسل انسانی کے لئے خطرناک ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کی مثال جو حق ناحق اپنی قوم و ملک کی حمایت کرتا چلا جاتا ہے۔ اور دوسروں کا خیال نہیں رکھتا۔ اس اونٹ سے دی ہے جو کنوئیں میں گر پڑا ہو۔ اور پھر اسے دُم سے باہر کی طرف کھینچا جائے۔ (ابو داؤد) غرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عصبیت کو غلط رنگ دینے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو غلط قسم کی عصبیت کی دعوت دیتا ہے۔ یا عصبیت کی وجہ سے جنگ وجدال کرتا ہے۔ اور ایسا شخص بھی ہم میں سے نہیں۔ جو اس غلط قسم کی عصبیت پر عمل کرتے ہوئے مر جاتا ہے۔ ابو داؤد نے یہ روایت نقل کی ہے۔

لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ وَّلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً وَّلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰى عَصَبِيَّةٍ (کتاب الادب)

اسلام بین الاقوامی اخوّت کا داعی ہے۔

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات کسی خاص قوم نسل اور خطۂ زمین سے مخصوص نہیں بلکہ وہ بین الاقوامی اخوّت کا داعی ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو وسعتِ نظری اور رواداری کی تلقین کرتا ہے کیونکہ اس کا خدا رب العالمین ہے اور اس کا رسول رحمۃ للعالمین۔ ایک مسلمان کا مطمح نظر بنیادی طور پر کسی خاص جگہ رنگ و نسل سے وابستہ نہیں مسلمان قوم اگر علاقائی اور قومی تعصبات کا شکار رہوتی ہے اور اس میں باہمی رقابتوں کی بناء پر قتل و غارت اور نسل کشی تک نوبت پہنچی ہے۔ وہ تنگ نظری میں اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اسکی طاقت جو استبدادی اور غیر اسلامی نظریات کے خلاف صرف ہونی چاہیئے تھی۔ وہ اپنے ہی لوگوں کے خلاف صرف ہونے لگی ہے۔ تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔ بلکہ وطنیت اور قومیت کا یہ غلط تصور اسلام کی تعلیم سے پیچھے ہٹ جانے اور قرآن کریم کو مہجور و متروک کر دینے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

انبیاء نے قومی عصبیت کو ختم کیا

دنیا میں جس قدر انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی اپنی قوم میں عصبیت اور تفاخر کو اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے طبقاتی فرق اور امتیازات کو دُور کیا ہے۔ اور باہمی نفرت کی بناء پر گروہ گروہ میں اور خاندان خاندان میں جو فاصلہ بڑھ گیا تھا۔ اسے پاٹنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہمارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی استعداد اور اہمیت کا دائرہ چونکہ وسیع تھا۔ اس لیئے آپ کی اصلاح زیادہ مؤثر تھی۔ آپؐ نے ایک طرف اس زمانہ میں رائج برائیوں کو دُور کیا مثلاً عرب میں عصبیت کا مرض بہت زیادہ تھا۔ آپؐ نے اس لعنت کا قلع قمع کیا اور دوسری طرف آپؐ نے ایسی اصولی ہدایات دیں جن پر عمل کرکے انسان ہر زمانہ میں اور قیامت تک عصبیت اور قومیت کی لعنت اور دوسری برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے لوگو! جہاں تک انسانیت کا سوال ہے کسی قوم اور کسی ملک کے رہنے والوں کو اپنے غیر پر تفوق اور برتری حاصل نہیں۔ ہر قوم اور ہر ملک کے رہنے والے اپنی خداداد قوتوں، طاقتوں اور استعدادوں سے کام لے کر دنیا کا بلند سے بلند مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہر انسان آدم اور حوّا کی اولاد ہے۔ پھر کسی کو اپنے دوسرے بھائی پر اپنی قوت و طاقت۔ رُعب و دبدبہ اور دولت و علم کی بناء پر تفوق اور برتری کا دعوےٰ کرنے کا کیسے حق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے لوگوں کو یہ ربانی ارشاد فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النساء)

اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اس کی جنس سے ہی اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں میں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کر کے دنیا میں پھیلائے۔

آپؐ نے فرمایا یہ درست ہے کہ لوگ قبیلوں اور خاندانوں میں منقسم ہیں اور بعض لوگ دوسروں سے مال و دولت، علم طاقت، قوت یا سیاسی اثر و نفوذ کی وجہ سے آگے ہیں۔ لیکن قبیلوں اور خاندانوں میں منقسم ہونا انہیں کسی بڑائی، تفوق، برتری اور فخر کا حقدار نہیں بناتا بلکہ یہ تو صرف پہچان اور امتیاز کے لئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات)

"اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو کئی گروہوں اور قبائل میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔"

پھر فرمایا۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَّلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (المائدہ ۴۹)

ہم نے ہر ایک قوم کے لئے ایک شریعت اور مذہب مقرر کیا ہے۔ اگر ہم چاہتے تو انہیں ایک قوم بھی بنا سکتے تھے مگر ہم نے یہ چاہا کہ وہ مختلف استعدادات کے ذریعہ اپنے مختلف جوہر ظاہر کریں۔ اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ پس اے مسلمانو! تم بجائے قومی تفاخر اور علاقائی عصبیت کا شکار ہونے کے بھلائیوں کی طرف ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔

انسانی پیدائش کا مقصد

پھر علاقائی تعصب اور قومی تفاخر کے خلاف ایک بڑی تعلیم یہ دی کہ دیکھو تمہاری پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے عبد بنو۔ جیسے فرمایا۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (حجرات) اور عَبَدَ کے معنی لغت میں کسی چیز کے نقش کو قبول کرنے کے ہیں۔ گویا اس کا مطلب ہوا کہ انسان کی پیدائش کی غرض یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ (جو اس کا خالق اور پرورش کنندہ ہے) کی تمام صفات کو حتی الوسع اپنے اندر منعکس کرے۔ جب تک کوئی ایسا نہیں کرتا۔ اس وقت تک وہ اپنی پیدائش کے مقصد کو پورا نہیں کرتا۔

پھر دوسری جگہ فرمایا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرہ)۔ اے مسلمانو! تم ان سے کہو کہ اللہ کا دین اختیار کرو اس کے رنگ میں رنگین ہو جاؤ اور رنگ میں اللہ تعالیٰ سے کون بہتر ہو سکتا ہے۔

اس آیت میں بھی امت مسلمہ کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ تم ہمیشہ صفات الٰہیہ کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو اور

دیکھتے رہو کہ تم صفاتِ الٰہیہ کے مظہر بنتے ہو یا نہیں بنتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لئے ہی پیدا کیا ہے اور اس کی قابلیت خود اس نے فطرتِ انسانی کے اندر ودلیت کردی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنے آپکو اللہ تعالیٰ کی صفات رب العالمین۔ رحمٰن۔ رحیم۔ مالک یوم الدین وغیرہا میں اپنے آپکو رنگ کرے گا۔ وہ انہیں اپنے اندر منعکس کرے گا۔ تو وہ اپنے آپکو ایک خاص قوم نسل رنگ اور علاقہ کیسے خاص کرے گا۔ بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ اپنے منکروں کو بھی رزق سے محروم نہیں رکھتا وہ ان کی بھی برابر ربوبیت کررہا ہے۔ اس کا مظہر انسان بھی بلاتمیز رنگ ونسل اور قوم وعلاقہ تمام بنی نوع انسان سے متعلق ہمدردی اور محبت کے جذبات رکھے گا۔ وہ اپنی خداداد طاقتوں اور قوتوں سے ہر قوم و ملک اور ہر رنگ ونسل کے لوگوں کو فیض پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ وہ قومی اور علاقائی تعصب کا ہرگز شکار نہیں ہوگا۔

اسلام نے باہمی اخوت اور بھائی چارہ کی تعلیم دی ہے۔ جیسے ایک باپ کے بیٹے طاقت وقوت اور دولت وعلم کے فرق کے باوجود باہم بھائی بھائی ہی رہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان اپنی کسی خاص خوبی اور فضیلت کی وجہ سے اپنے دوسرے مسلمان بھائی پر برتری اور تفوق کا دعوےٰ نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحجرات) مومنوں کا آپس کا رشتہ بھائی بھائی کا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ (آل عمران ۱۰۴)

اے لوگو! تم اس احسان کو یاد کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کردی جس کے نتیجہ میں تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔

پھر جب سب مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں تو پھر باہمی تعصب اور عناد کا سوال ہی کیسے پیدا ہوسکتا ہے

اسلام کی اس تعلیم کے پیش نظر موجودہ قومی علاقائی اور صوبائی عصبیتیں پنپ ہی نہیں سکتیں۔ اسلام کی اسی مبارک تعلیم کے پیش نظر ہی عربوں میں جو خاص طور سے عصبیت کا شکار تھے۔ اخوت اور بھائی چارہ ایسا پیدا ہوا کہ وہ ایک دوسرے کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کو آمادہ وتیار ہوگئے۔ اور ہجرت مدینہ کے بعد ہمیں یہ درخشندہ مثال بھی ملتی ہے کہ ایک انصاری نے اپنے ایک مہاجر بھائی کو پیشکش کی کہ تم میری ان بیویوں میں سے جسے پسند کرو۔ میں اسے طلاق دے دوں گا اور تم اس سے شادی کرلو۔ ان لوگوں سے بغض وکینہ بالکل جاتا رہا۔ صدیوں کی عادتیں بدل گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماحول کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔ الحجر ۴۸

ہم نے اسلام کی تعلیم کے ذریعہ تمہارے دلوں میں جو کینہ وغیرہ تھا اسے نکال باہر کیا ہے۔ اب تم سب بھائی بھائی ہو۔

عصبیت اور قومیت کے جنون کو مٹانے کا ذریعہ — نماز

پھر اس عصبیت اور قومیت کے جنون کو مٹانے کے لئے مستقل طور پر انتظام فرمایا۔ مثلاً پانچ وقت روزانہ نماز کا حکم دیا تو فرمایا۔ باجماعت نماز کے لئے تم مسجد میں جمع ہو۔ تو وہاں نسل قوم۔ رنگ اور مرتبہ کا کوئی خیال نہ کرو بلکہ ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر صفوں میں کھڑے ہو۔ پھر فرمایا مسجد میں کسی کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں کی جا سکتی۔ اور پہلی صف میں بیٹھنے کا استحقاق صرف اسی کو ہے جو مسجد میں پہلے آئے۔ چاہے وہ امیر ہو یا غریب۔ محکوم ہو یا غیر محکوم پھر جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں اس انتظام کو اور وسعت دے دی کہ ایسے مواقع پر محلہ اور گاؤں کے علاوہ علاقہ کے دوسرے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔ پھر حج کے موقعہ پر بین الاقوامی طور پر اخوت کا سبق دیا۔ غرض اسلام نے عبادت میں عصبیت اور وطنیت کی نفی کر کے مسلمانوں کو یہ سبق دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک رنگ و نسل۔ قوم و ملک۔ غریب و امیر کا کوئی سوال نہیں۔ اس کے نزدیک صاحب احترام و اکرام وہی ہے جو تقویٰ شعار ہو۔

پھر اسلام نے اخوت کی تعلیم دیتے ہوئے صرف مسلمانوں سے ہی اس سلوک کو خاص نہیں کیا بلکہ اس نے دنیا کے اطراف و جوانب میں رہنے والے ہر رنگ اور نسل کے لوگوں کو اپنی تعلیم کے احاطہ میں لیا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (السبا آیت ۲۹)

ہم نے آپ کو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر مبعوث کیا ہے۔ اس لئے آپ کی تعلیم کا دائرہ تمام دنیا پر محیط ہے۔ اس سے یہ سبق مسلمانوں کو ملتا ہے کہ اپنے آپ کو کسی بھی علاقہ اور قومیت سے برتر اور فائق نہ جانیں بلکہ دنیا کے کسی خطہ میں بھی بسنے والا اور کسی قوم سے تعلق رکھنے والا انسان ان کا بھائی ہے۔ اس سے بھائی والا سلوک ہی کرنا ان کا فرض ہے۔ جس طرح ایک باپ کی اولاد ایک دوسرے پر تفوق اور برتری کا دعویٰ نہیں کر سکتی اسی طرح ایک رسول کی امت اور اس کی روحانی اولاد کو بھی صوبائی اور نسلی عصبیت کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔

کسی انسان کو حقیر و ذلیل نہ سمجھا جائے۔

انسانی مساوات کا یہ عظیم اصول پیش کر کے اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ کسی فرد یا قوم کو جائز نہیں کہ کسی دوسرے فرد یا قوم کو تحقیر کی نظر سے دیکھے۔ کسی انسان کو ذلیل اور کمتر نہیں سمجھنا چاہیئے۔ سب لوگ اصل کے لحاظ سے ایک ہیں۔ اور سب ہی خداداد استعدادوں اور قوتوں سے فائدہ اٹھا کر دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ آج جو شخص یا گروہ بظاہر حقیر اور ذلیل نظر آ رہا ہے۔ کل وہ دوسروں سے آگے نکل جائے۔ یا اب بھی وہ اپنے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے تم سے بہتر ہو۔ جیسا کہ فرمایا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ

وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ (الحجرات)

اے مومنو کوئی قوم کسی قوم سے اسے حقیر سمجھ کر ہنسی مذاق نہ کرے۔ ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہو اور نہ کسی قوم کی عورتیں دوسری قوم کی عورتوں کو حقیر سمجھ کر ان سے ہنسی ٹھٹھا کریں۔ ممکن ہے کہ وہ (دوسری قوم کی یا حالات والی) عورتیں ان سے بہتر ہوں۔

وجہ فضیلت صرف تقوےٰ ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی اس تعلیم کو بار بار لوگوں کے سامنے پیش کیا اور آپ کے ارشادات آج بھی ہم لوگوں کے لئے روشنی کا مینار ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں:۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَّ اِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَّلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَّ لَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَ لَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى (مسند احمد بن حنبل)

اے لوگو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک تھا پس ہوشیار ہو کر سن لو کہ عربوں کو عجمیوں پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ عجمیوں کو عربوں پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح گورے رنگ والوں کو کالے رنگ والوں پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کالے لوگوں کو گوروں پر کوئی فضیلت ہے۔ ہاں ان میں سے جو بھی اپنی نیکی اور تقوےٰ کی وجہ سے آگے نکل جائے وہی افضل ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قومی اور نسلی تفاخر اور علاقائی وخاندانی عصبیت کو زمانہ جاہلیت کی عادت قرار دیا ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا اسلام رنگ ونسل کے امتیاز کی نفی کرتا ہے۔ وہ بُرائی کا پیمانہ اس بات کو قرار دیتا ہے کہ انسان نیک عمل کمانے والا ہو۔ آپؐ نے کیا ہی عجیب بات بیان فرمائی ہے کہ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ اسے تفاخر، تکبر اور عصبیت کا لحاظ رکھنا زیب نہیں دیتا۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں:۔

قَدْ اَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ فَخْرَهَا بِالْاٰبَآءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَّ فَاجِرٌ شَقِيٌّ وَّ النَّاسُ بَنُوْٓ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِّنْ تُرَابٍ (ترمذی)

اے مسلمانو اللہ تعالےٰ نے ایمان کے نتیجہ میں تم سے زمانہ جاہلیت کے بے کبر و غرور اور آباء و اجداد کی وجہ سے بے جا تفاخر کی مرض کو دُور کر دیا ہے۔ اب کسی شخص کی بُرائی کا پیمانہ یہ ہوگا کہ وہ خدا تعالےٰ پر ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے۔ اس کے مقابلہ میں خدا تعالےٰ کی نظر میں کم درجہ کا وہ انسان ہوگا۔ جو بد عمل اور اچھے اوصاف سے محروم ہو۔ یاد رکھو سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوا تھا۔

قرآن کریم قوموں میں وحدت پیدا کرنے کے لئے آیا ہے۔

خدا تعالےٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث ہی اس لئے فرمایا تھا کہ دنیا سے عصبیت قومی اور ملکی کو ختم کیا جائے

اور تعلیم قرآن کریم کے ذریعہ جو تمام عالم کی طبائع کے لئے مشترک ہے۔ دُنیا کی متفرق قوموں کو ایک پلیٹ فارم پر لایا جائے اور جس طرح خدا تعالیٰ واحد لاشریک ہے۔ اسی طرح اس کے بندے متحد ہو جائیں۔ تمام قوموں میں ایک وحدت پیدا کر دی جائے۔ تا سب لوگ ملکر ایک وجود کی طرح اپنے خدا کو یاد کریں۔ لیکن چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپؐ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے خدا نے نہ چاہا کہ وحدت اقوامی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی کمال کو پہنچ جائے۔ بلکہ اس نے تکمیل اس فعل کی زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا ہے جیسا کہ فرمایا۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الفتح)

وہ خدا ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ تمام دینوں پر اسکو غالب کر دے

وحدتِ انسانی اس زمانہ میں مقدر ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں کا ایک قوم کی طرح بن جانا اور ان میں وحدت کا جذبہ پیدا ہو جانا۔ اس زمانہ میں مقدر کیا ہے۔ اور اس کے لئے اس نے سامان اور ذرائع پیدا کر دیئے ہیں۔ اس زمانہ میں باہمی تعارف کے وہ ذرائع اور وسائل نکل آئے ہیں۔ جو پہلے زمانہ میں میسر نہیں تھے۔ مواصلات اور پیغام رسانی کے نئے نئے طرق نکل آئے ہیں۔ مثلاً تار ہے ٹیلیفون ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ہے۔ ریل اور موٹر ہے۔ ہوائی اور بحری جہاز ہیں۔ ان سب ذرائع کا اسی زمانہ میں پیدا ہونا اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ قومی خاندانی اور علاقائی عصبیت کو مکمل طور پر مٹا کر تمام لوگوں کو ایک وجود کی طرح بنا دینا اس زمانہ میں مقدر تھا۔ خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ تمام قوموں کو جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں ایک قوم بنا دے اور ہزارہا سالوں کے بچھڑے ہوؤں کو ملا دے جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات میں وحدت ہے۔ ایسا ہی وہ نوع انسان کی وحدت کو چاہتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اسی حقیقت کو اپنی کتب اور ملفوظات میں متعدد جگہ بیان فرمایا ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں:۔

”چونکہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تمام انسانوں کو ایک ہی قوم بنا دے۔ اس لئے ہم کبھی دوسری زبانوں میں بھی الہام پاتے ہیں۔“ (چشمۂ معرفت)

اسی کتاب میں ایک اور جگہ آیت قرآنیہ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اس زمانہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

”دنیا میں بڑا تفرقہ پھیل جائے گا اور بڑی پھوٹ اور بغض اور کینہ لوگوں میں پیدا ہو جائے گا اور جب یہ باتیں کمال کو پہنچ جائیں گی۔ تب خدا آسمان سے اپنی قرنا میں آواز پھونک دے گا یعنی مسیح موعود کے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

کوچ کی نوبت قریب ہے

اے عزیزو سوچ کر دیکھو ذرا ۔۔۔ موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا
یہ تو رہنے کا نہیں پیارو مکاں ۔۔۔ چل بسے سب انبیاء و راستاں
ہاں نہیں پاتا کوئی اس سے نجات ۔۔۔ یونہی باتیں ہیں بنائیں واہیات

اگر ہاتھ سے وقت جاوے نکل ۔۔۔ تو پھر ہاتھ مل مل کے رونا ہے کل
نامردی ہے تیر اور تلوار سے ۔۔۔ بنو مرد مردوں کے کردار سے
سنو آتی ہے ہر طرف سے صدا ۔۔۔ کہ باطل ہے ہر چیز حق کے سوا
کوئی دن کے مہماں ہیں ہم تم سبھی ۔۔۔ خبر کیا کہ پیغام آوے ابھی

اے حب جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں ۔۔۔ اس میں تو پہلے لوگوں کوئی سے رہا نہیں
دیکھو تو جا کے ان کے مقابر کو اک نظر ۔۔۔ سوچو کہ اب سلف ہیں تمہارے گئے کدھر
اک دن وہی مقام تمہارا مقام ہے ۔۔۔ اک دن یہ صبح زندگی کی تم پہ شام ہے
اک دن تمہارا لوگ جنازہ اٹھائیں گے ۔۔۔ پھر دفن کر کے گھر میں تأسف سے آئیں گے
اے لوگو! عیش دنیا کو ہرگز وفا نہیں ۔۔۔ کیا تم کو خوف مرگ و خیال فنا نہیں
سوچو کہ باپ دادے تمہارے کدھر گئے ۔۔۔ کس نے بلا لیا وہ سبھی کیوں گزر گئے
وہ دن بھی ایک دن تمہیں یارو نصیب ہے ۔۔۔ خوش مت رہو کہ کوچ کی نوبت قریب ہے

صرف ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا ۔